خواجہ معین الدین

(حالاتِ زندگی)

خواجہ معین الدین ۱۹۲۴ء میں حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حیدر آباد ہی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ تعلیمی سلسلہ منقطع رہا مگر مابعد ایف۔اے اور بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ دورانِ تعلیم ہی آزادی کی تحریک سے وابستہ رہے۔آل انڈیا مسلم لیگ میں سرگرم رکن کی حیثیت سے کام کیا۔ وقتاً فوقتاً حیدر آباد دکن کے اخبارات اور رسائل سے وابستہ رہے۔مگر مستقل طور پر کسی جریدے میں ملازمت اختیار نہیں کی۔کسی بھی اخبار یا رسالے میں چند ماہ سے زیادہ کام نہیں کیا۔اسی دوران وہ مختلف تھیٹر کمپنیوں کے لیے ڈرامے بھی لکھتے رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آگئے اور ایک سکول میں مدرس بن گئے۔ قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں انھوں نے پاکستانی تھیٹر کے لیے لازوال ڈرامے تحریر کیے جو آج تک ٹیلی وژن، ریڈیو اور مختلف شہروں کے اسٹیج پر پیش ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے کراچی میں ''ڈراما گلڈ'' کے بینر تلے ایک ادارہ قائم کیا۔جس کے بانی صدر وہ خود اور سیکرٹری آغا ناصر تھے۔ جہاں اِن ہی کے ڈرامے اسٹیج کیے گئے جو عوام میں بے حد مقبول ہوئے۔

اُن کے ڈراموں میں آج بھی وہی تازگی اور کشش باقی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ڈرامے ایسے موضوعات پر مشتمل ہیں جو قومی اور سیاسی نوعیت کے ہیں۔ ہر ڈرامے کا کوئی نہ کوئی مقصد اور پیغام ہے۔ ان کا ڈرامہ ''زوال حیدر آباد'' ہندوستان کی ایک بڑی مسلم ریاست پر بھارتی سامراج کے ظلم و تشدد کی کہانی ہے۔۱۹۵۳ء میں ''لال قلعے سے لالوکھیت تک'' سٹیج کیا۔ یہ ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے لاکھوں مہاجرین اور پاکستان کے بالکل ابتدائی زمانے کی صورتحال کا تجزیہ ہے۔

اس کے علاوہ مسئلہ کشمیر پر ایک ڈراما ''نیا نشان'' لکھا اور پیش کیا۔ چونکہ اس میں اپنے ملک کے سیاستدانوں پر سخت تنقید کی گئی تھی۔اس لیے حکومت نے اس کی نمائش پر پابندی لگا دی۔ بعد میں اس ڈرامے میں مناسب ترمیم کر کے ''وادی کشمیر'' کے نئے نام سے پیش کیا گیا۔''مرزا غالب بندر روڈ پر'' پاکستان کے اس وقت کے دارالحکومت کراچی کی معاشرتی زندگی کا عکس ہے جبکہ ان کا مشہور ڈرامہ ''تعلیمِ بالغاں'' قومی سطح پر وقوع پذیر ہونے والے اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا مرقع ہے۔آپ نے صرف سنتالیس سال کی عمر میں ۱۹۷۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔

مرزا غالب بندر روڈ پر (ایک کھیل)

(خواجہ معین الدین)

مقاصدِ تدریس

- طلبہ کو مکالمے کی زبان میں حقیقت کا ادراک کروانا۔
- طلبہ کو خواجہ معین الدین کے مکالموں کی پہچان کروانا۔
- طلبہ کو خواجہ معین الدین کے مقام سے آگاہی دینا۔

الفاظ و تراکیب

بازیچہ اطفال	نیم ہویدا	شہر خموشاں	قندیل	رکھوالی
سوانگ	بھاڑ میں جھونکنا	ملیامیٹ	بساط الٹنا	ناٹک

......☆......

کردار:

۱۔ حوالدار: ہندوستانی پولیس کا ایک فرد ۲۔ فقیر: دہلی کے ایک قبرستان کا رکھوالا

۳۔ ٹیپو: ایک امیر گھرانے کا بگڑا ہوا نوجوان

پس منظر سے آواز

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

آہستہ آہستہ اسٹیج کا پردہ اٹھتا ہے اور منظر سامنے آتا ہے۔ یہ دہلی کا ایک قبرستان ہے جس میں مرزا غالب کا مقبرہ زیرِ تعمیر ہے۔ رات کا وقت ہے۔ نیلے آسمان کی چمک سے قبرستان کا منظر نیم ہویدا ہے۔ جھینگروں کی آواز سے شہر خموشاں کا سکوت اور بھی معنی خیز ہو گیا ہے۔ قبرستان کی عقبی دیوار کے ایک شکستہ حصہ سے روشنی نمودار ہوتی ہے۔ یہ روشنی جوں جوں قبرستان کے احاطے میں آگے بڑھتی جاتی ہے قبرستان کا منظر بھی نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ یہ روشنی آنے والے ایک ضعیف العمر شخص کی قندیل سے پیدا ہے۔

آنے والا بوڑھا فقیر جس کے جسم پر ایک مَیلا کچیلا لمبا کُرتا ہے اور لنگی باندھے ہوئے ہے۔ اپنے ایک ہاتھ میں قندیل اور ایک میں عصا تھامے اور ایک تھیلی کندھے سے لٹکائے، وہ قبروں کے درمیان سے گزرتا ہوا اپنی جھونپڑی کی طرف آرہا ہے، جو ایک کنارے بنی ہے۔ اس کے سر پر اور داڑھی کے بال ژولیدہ ہیں۔ جھونپڑی کے قریب ہی ایک ٹوٹے ہوئے اسٹول پر حوالدار اپنی لاٹھی کے سہارے سو رہا ہے۔

فقیر: (قبرستان کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے) اللہ ہی اللہ ہے...... رہے نام اللہ کا (قندیل کی روشنی میں حوالدار کو دیکھ کر) اوہ۔ حوالدار بابو تم آج بھی آ گئے؟ (غور سے حوالدار کے چہرے کو دیکھ کر) ہاہاہاہا......جسم پر ڈریس بھی ہے، ہاتھ میں ڈنڈا بھی ہے۔ پہرہ بھی دے رہے ہیں۔ مگر ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔ کیا حکومت چل رہی ہے۔ صاحب۔ واہ۔ واہ۔ واہ......حوالدار بابو۔ حوالدار بابو (حوالدار بابو ایک دم چونک کر سلوٹ کرتا ہے)

فقیر: (ڈر کر تھیلی ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے) ہائیں۔ یہ کیا۔ اس طرح سلام کر کے مجھے کیوں گنہگار کرتے ہو بابو......

حوالدار: (جماہی لیتے ہوئے اور آنکھیں مَلتے ہوئے) آں تم کون؟

فقیر: میں اِن قبروں کا رکھوالا ہوں بابو۔

حوالدار: رکھوالا؟

فقیر: ہاں بابو! زندگی میں تم ہماری رکھوالی کرتے ہو اور مرنے کے بعد ہم تمہاری رکھوالی کرتے ہیں۔

حوالدار: اوہ۔ تم ہو، میں سمجھا، میرا انسپکٹر آ گیا ہے۔ (جماہی لیتے ہوئے) معاف کرنا بھائی بہت تھک گیا ہوں۔

فقیر: یہ حکومت کے کام ہی بڑے تھکا دینے والے ہوتے ہیں بابو۔ جو بھی حکومت میں جاتا ہے تھک کر سو ہی جاتا ہے۔ روٹی ووٹی کھائی یا نہیں؟

حوالدار: روٹی!

فقیر: ہاں بابو! اگر ذات پات، امیری یا غریبی کا خیال نہ کرو، تو اس فقیر کے ساتھ دو لقمے کھالو۔

حوالدار: کیوں؟ آج کوئی اچھی چیز مانگ لائے ہو کیا؟

فقیر: اچھی چیز اب کہاں بابو...... دکاندار کہتے ہیں، جب سے ہندوستان کو آزادی ملی ہے۔ اچھی چیز تو فقیر سے پہلے پولیس والے ہی مانگ لے جاتے ہیں۔

حوالدار: اچھا، تو تم پولیس والوں کو بھکاری سمجھتے ہو؟

فقیر: نہیں نہیں، بابو ہرگز نہیں۔ میرے منہ میں خاک۔ میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں۔ میں اصل میں......اصل میں یہ پوچھنا......

حوالدار: ہاں، ہاں پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو......ڈرتے کیوں ہو۔

فقیر: ڈرتا تو نہیں بابو......(رُک کر) ہر ایک سے ڈر ضرور ہوتا ہے۔

حوالدار: (قہقہہ لگا کر) ہاہاہا۔ یہ بھی خوب رہی۔

فقیر: بابو اگر تم ہندو ہو تو بازار سے کچھ دُودھ وُودھ لاؤں...... پینے کے لئے۔

حوالدار: نہیں بھائی...... میں تو مسلمان ہوں۔

فقیر: کیوں مذاق کرتے ہو بابو۔ اب ہندوستانی پولیس میں مسلمان کہاں ہوتے ہیں اور وہ بھی حوالدار......؟

حوالدار: اسے میری خوش نصیبی سمجھو یا بدنصیبی کہ میں مسلمان بھی ہوں اور حوالدار بھی......۔

فقیر: تم کہتے ہو تو یقین کرنا ہی پڑے گا بابو......

حوالدار: ورنہ جی نہیں مانتا...... ہاں۔

فقیر: یہ بات نہیں ہے بابو...... نہ جانے کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ ٹیپو سچ کہتا تھا۔ آج ایک مسلمان دوسرے کو مسلمان کہتے ہوئے بھی گھبراتا ہے۔

حوالدار: یہ تمہارا ٹیپو بھی خوب آدمی ہے......کون ہے یہ......؟

فقیر: اپنی اسی دِلّی کے ایک امیر گھرانے کا لڑکا ہے، بابو۔ بہت پڑھا لکھا ہے۔ شاعر بھی ہے۔

حوالدار: اچھا...........!!؟

فقیر: مگر اب کیا...... اب تو ایک ...... پاگل اور دیوانہ ہے۔ ایک تھیٹر کمپنی میں کام کرتا ہے۔ ہر وقت ایک نئے سوانگ میں آتا ہے۔

حوالدار: آدمی دلچسپ ہے......!

فقیر: ہاہاہا...... کل رات مجھ سے کہہ رہا تھا، دادا میرا تماشا دیکھنے چل۔ آج کل میں ٹیپو سلطان کا پارٹ کر رہا ہوں...... ہاہاہا......

حوالدار: ہاہاہا...... خوب! پاگل کہیں کا!!

فقیر: بالکل پاگل ہے۔ چھوٹے بچوں کی سی حرکتیں کرتا ہے......لو!...... یہ کھاؤ...... یہ اچھی چیز ہے۔
(دونوں کھانا شروع کرتے ہیں...... خاموشی)

فقیر: بابو!

حوالدار: ہاں!

فقیر: تم اِس قبرستان میں پہرہ دے رہے ہو بابو؟

حوالدار: تو کیا میرے مسلمان ہونے کا یقین آ گیا......؟

وہ تو میں تمہاری باتوں ہی سے سمجھ گیا تھا بابو...... آج ساٹھ برس سے دِلّی کی گلیوں میں بھیک مانگ رہا ہوں۔

فقیر: کوئی بھاڑنہیں جھونکی ہے۔ مسلمان کے سوا ایسی اچھی اُردو اور کون بول سکتا ہے۔

حوالدار: بھائی تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو...... کیا تمہارے قبرستان میں اس سے پہلے کوئی پولیس والا نہیں آیا؟

فقیر: مگر وہ تو مردہ تھے بابو......

حوالدار: اوہ! اور میں زندہ ہوں!! اس لئے گھبرا رہے ہو؟ لوگ مُردوں سے ڈرتے ہیں اور تم زندوں سے ڈرتے ہو؟

فقیر: مُردے زندہ کا سوال نہیں بابو، بات اصل میں یہ ہے کہ رگھُو موچی ہے نا رگھُو موچی...... یہ جو پرلی طرف فٹ پاتھ پر بیٹھتا ہے۔ سُنا ہے حکومت کا آدمی ہے۔

حوالدار: حکومت کا آدمی......؟

فقیر: ہاں بابو...... سارے دکاندار یہی کہتے ہیں۔ کل مجھ سے کہنے لگا...... ''پیرن تو جانتا ہے۔ تیرے قبرستان پر حکومت نے پہرہ لگا دیا ہے...... ہندو مہاسبھا والے اس قبرستان کو توڑ کر یہاں گئوشالہ بنانا چاہتے ہیں''۔

حوالدار: جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ جو مرزا غالب کا مقبرہ بن رہا ہے نا، آج تین راتوں سے میری ڈیوٹی اس طرف لگائی گئی ہے۔ رات زیادہ ہو جاتی ہے۔ دور دور تک کہیں کوئی بیٹھنے کی جگہ نظر نہیں آتی۔ یہاں تمہاری جھونپڑی میں چراغ دیکھتا ہوں تو ادھر چلا آتا ہوں......

فقیر: جب تک تمہارا جی چاہے بیٹھو...... اب میرے دل کو سکون ہوا۔ ورنہ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں لوگ اس قبرستان کو ملیامیٹ نہ کرنا چاہتے ہوں۔

حوالدار: کیسی باتیں کرتے ہو بابا...... قبرستان کو کون ملیامیٹ کرے گا؟

(دونوں بیٹھ جاتے ہیں اور ٹیپو...... داخل ہوتا ہے)

ٹیپو: ابے...... تو ڈرتا کیوں ہے...... ملیامیٹ کرتے ہیں، تو کرنے دے مگر کان کھول کر سُن لے...... ہم مسلمان ہیں۔ ہمیں کوئی ملیامیٹ نہیں کرسکتا۔ ہم اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ملیامیٹ کر لیتے ہیں۔ یہ دیکھ، میں نے آج پوری دو باٹل کوک پی کر اپنے آپ کو ملیامیٹ کرلیا ہے۔ یہ لے تیرے لئے بھی لیتا آیا ہوں......

(پولیس والے کو دیکھ کر گھبراتے ہوئے) پولیس...... دادا میں تو چلا۔

(حوالدار ٹیپو کو بھاگتا دیکھ کر زور سے قہقہہ لگاتا ہے)

فقیر: ٹیپو!

ٹیپو: ہُش۔ دادا یہ آواز سُن رہا ہے تو......

فقیر: کونسی؟

ٹیپو: یہی جو ابھی آرہی تھی۔

فقیر: کونسی آواز......؟

ٹیپو: تُو اِدھر آ (کان میں) یہ کسی کے ہنسنے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

فقیر: اماں وہ تو حوالدار بابو ہنس رہے تھے۔

ٹیپو: وہی تو کہہ رہا ہوں کہ جب حوالدار ہنستا ہے اور کُتے روتے ہیں تو دنیا پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے۔

فقیر: (گھبرا کر) حوالدار بابو۔ اس کی باتوں کا بُرا نہ ماننا۔

حوالدار: کیوں بے، کیا ہو رہا ہے یہ......

ٹیپو: ادب سے بات کر، او نا ہنجار سپاہی...... جانتا نہیں، مابدولت کا نام ٹیپو ہے۔

حوالدار: ہاہاہا......شرم نہیں آتی تجھے اپنے آپ کو ٹیپو کہتے ہوئے۔

ٹیپو: اور شرم نہیں آتی تجھے، ٹیپو کو اِس پھٹے حال میں دیکھ کر بھی، اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے...... کمبخت...... جب میں میسور کا بادشاہ تھا اور انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا چاہتا تھا، اُس وقت بھی تو نے چند ٹکوں کے عوض ایسا ہی لباس پہن کر میرے سینے پر گولی چلائی تھی...... یہ دیکھ...... یہ ٹیپو کا سینہ ہے۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ کا سینہ ہے۔ آہ! اس سینے میں اپنے ہی بھائی کی غداری کا خنجر چُبھا ہوا ہے...... غدار...... یہ لباس اُتار...... بڑا حوالدار کی دُم بنا پھرتا ہے۔

فقیر: (غصہ سے ٹیپو کی طرف دیکھتے ہوئے) ٹیپو! (حوالدار سے مخاطب ہو کر) اس کی باتوں کا بُرا نہ ماننا بابو...... اِس کمبخت نے ایک ناٹک کمپنی میں نوکری کر لی ہے، اور اس قسم کی ناٹکی زبان بولتا ہے۔

ٹیپو: اُس قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے...... جو اپنی تاریخ کو بھی ناٹک اور کھیل تماشا سمجھتی ہے۔

فقیر: ٹیپو! یہ ناٹک کمپنی نہیں ہے، سمجھا۔ یہ قبرستان ہے قبرستان......؟

ٹیپو: قبرستان؟ ہا ہا ہا۔ یہ قبرستان نہیں ، ہے دادا۔ یہ اکبر کا، جہانگیر کا، شاہجہان اور عالمگیر کا حسین اور خوبصورت ہندوستان ہے۔ ذرا اس قبرستان کی بساط تو الٹ کر دیکھ...... یہ مُردے نہیں ہیں۔ زندگی کے معنی تو یہی جانتے تھے۔ انہوں نے سارا ہندوستان ہمارے حوالے کر کے اپنے آپ کو دو گز زمین میں چھپا لیا ہے...... مُردے تو

ہم ہیں دادا، جو ہندوستان تو ہندوستان ان کی قبروں کی حفاظت کے بھی قابل نہیں رہے...... کون جانتا ہے
دادا...... اِن قبروں کے اُس طرف بیٹھے ہوئے ہم اُن کو مردہ سمجھ رہے ہوں...... یہ دنیا سمجھ میں آنے والی جگہ
نہیں ہے......دادا......(فقیر کی طرف ایک پڑیا پھینکتا ہے)

فقیر: ارے کمبخت یہ تو مٹھائی ہے۔

ٹیپو: مٹھائی ہے تو مٹھائی کھاؤ۔

فقیر: یہ مٹھائی کس نے دی ہے رے تجھے......

ٹیپو: اس اونچی قبر کے بیٹے نے۔

حوالدار: اونچی قبر کا بیٹا؟

فقیر: کیا اسلم میاں فاتحہ پڑھنے آئے تھے۔توبہ توبہ، یہ تو بالکل ہی بھول گیا کہ آج وہ آنے والے تھے۔اماں تُو نے ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی تو نہیں کی......؟

ٹیپو: کس کو یاد ہے؟

فقیر: تُو نے اُن کو سلام کیا تھا؟

ٹیپو: ہاں۔اُنھوں نے مجھے خدا حافظ کہا تھا۔

فقیر: اللہ حافظ؟ کیا کہہ رہا ہے تو؟

ٹیپو: ہاں وہ کہہ رہے تھے کہ وہ پاکستان جارہے ہیں۔اس لئے آخری بار اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آئے تھے...... بے وقوف...... جیسے ہندوستان اب کوئی ملک نہیں رہا...... بلکہ فاتحہ پڑھنے کی جگہ ہوگیا ہے۔

فقیر: تو گویا اسلم میاں بھی اپنے باپ دادا کی قبروں کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے۔

حوالدار: لوگ تو بڑے بڑے محل چھوڑ کر گئے ہیں، بابا۔ان قبروں کی کیا اہمیت ہے۔

ٹیپو: ہاہاہا۔قبروں کی اہمیت کو تو کیا جانے حوالدار...... تیرا کام تو محلوں کی رکھوالی کرنا ہے...... قبروں کی اہمیت مسلمانوں کی تاریخ سے پوچھ......اس زمین وآسمان نے......آج تک......تاج محل سے زیادہ حسین کوئی اور محل نہیں دیکھا...... مسلمان جب زندہ تھے تو قبروں کا احترام بھی کرتے تھے۔اب تو چلتی پھرتی لاشیں باقی رہ گئی ہیں۔ہمیں یہ قبرستان بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں (ہچکی لے کر) اللہ مجھے معاف کرے...... میں کیسی باتیں کررہا ہوں۔

حوالدار: (طنز سے) اللہ ضرور معاف کرے گا تجھے...... قبرستان میں...... بیٹھ کر کیسی باتیں کر رہا ہوں۔

ٹیپو: ہاں ضرور معاف کرے گا...... کمبخت تو اللہ کو بھی کوئی حوالدار سمجھتا ہے۔

فقیر: ٹیپو...... زبان کو قابو میں رکھ۔ اگر ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو جا یہاں سے نکل جا......

ٹیپو: ارے تو غصہ کیوں کرتا ہے، دادا۔ یہ قبرستان کوئی تیرے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔ ظالم یہی تو ایک چیز ہے۔ جس میں ہم غریب بھی امیروں کے برابر حصہ پاتے ہیں...... دو گز زمین، دو گز کفن۔ یہی اس زندگی کا انجام ہے دادا۔

فقیر: ٹیپو اللہ کے واسطے اب تو خاموش رہ بیٹے۔ تو ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی باتیں کیوں کرتا ہے؟

ٹیپو: میں کیا کروں دادا...... میرے بزرگوں نے بچپن ہی سے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ ہندوستان میں رہ کر بھی دن میں پانچ دفعہ...... عرب کے ریگستانوں کی طرف دیکھ لیا کرو...... مجھے ان ریگستانوں کی طرف دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے، دادا......

(مرزا غالب بندر روڈ پر)

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) فقیر نے حوالدار کے چہرے کو کیوں غور سے دیکھا؟

ب) قبرستان پر حکومت نے پہرہ کیوں لگایا؟

ج) حوالدار کی شخصیت پر پانچ جملے تحریر کریں۔

د) کتوں کا بھونکنا کس بات کی علامت سمجھی جاتی ہے؟

ہ) ٹیپو کی باتوں سے حوالدار نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟

و) ٹیپو کا تعلق کس گھرانے سے تھا؟

۲۔ سبق کے متن کی روشنی میں درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) مرزا غالب کا مقبرہ ہے:

(i) دہلی میں (ii) لاہور میں

(iii) آگرہ میں (iv) کلکتہ میں

ب) "مرزا غالب بندر روڈ پر" صنف ادب کے لحاظ سے ہے:

(i) افسانہ (ii) ناول

(iii) ڈرامہ (iv) داستان

ج) قبرستان کے احاطے میں روشنی پیدا ہوئی:

(i) سورج نکلنے سے (ii) بلب سے

(iii) قندیل سے (iv) موم بتی سے

(د) فقیر کے سر اور داڑھی کے بال ہیں:

(i) سفید (ii) سیاہ

(iii) ژولیدہ (iv) میلے کچیلے

ہ) حوالدار کے ہاتھ میں ہے:

(i) رائفل (ii) ڈنڈا

(iii) کلاشنکوف (iv) پستول

۳۔ متن کے مطابق درست جواب کی نشاندہی (✓) اور غلط کی (✗) سے کریں۔

الف) فقیر غور سے ٹیپو کے چہرے کو دیکھتا ہے۔

ب) فقیر خود کو قبروں کا رکھوالا سمجھتا تھا۔

ج) ٹیپو ایک تھیٹر کمپنی میں کام کرتا ہے۔

د) حوالدار ٹیپو کو بھاگتا دیکھ کر زور سے رونا شروع کر دیتا ہے۔

ہ) ڈرامے کا ٹیپو میسور کا بادشاہ تھا۔

۴۔ ڈرامہ "مرزا غالب بندر روڈ پر" کے مختلف کرداروں پر مختصر روشنی ڈالیں۔

۵۔ ڈرامہ "مرزا غالب بندر روڈ پر" کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۶۔ ڈرامہ "مرزا غالب بندر روڈ پر" میں کس طرح کی منظر کشی کی گئی ہے؟

۷۔ ڈرامہ "مرزا غالب بندر روڈ پر" کی روشنی میں خواجہ معین الدین کے طرزِ تحریر پر ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔

انشائیہ

انشائیہ ایک شخصی، مختصر اور بے ساختہ صنف نثر ہے جس میں مصنف کی ذات سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے اور وہ مضمون کی طوالت و سنجیدگی سے ہٹ کر کسی موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار سادہ الفاظ میں کر کے براہِ راست اپنا تعارف کراتا ہے۔ انشائیہ نگار کو زبان پر عبور حاصل ہونا چاہئے۔ ورنہ زبان کی شُستگی انشائیے کے لطف کو زائل کر دے گی۔

تبصرہ

کسی کتاب کے موضوع کے نمایاں خدوخال سے قاری کو متعارف کرائے بغیر اس کی کسی نزاعی بحث میں پڑا جائے تبصرہ کہلاتا ہے۔ تبصرہ نگاری بالکل جدید صنف ادب ہے۔ اس کا رواج بھی اُردو میں انگریزی کے زیرِ اثر ہوا ہے۔ تبصرہ نگاری تنقید سے مختلف ہے۔ تنقید میں ایک نقاد اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے مگر تبصرہ میں ہر قسم کے تعصبات اور میلانات سے بالاتر بات کی جاتی ہے اور کتاب کے موضوع ہی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

خاکہ

کسی شخص کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو اس طرح اُجاگر کرنا کہ اس کا تعارف بھی ہو جائے اور وہ اس کی سوانح بھی نہ ہو مگر اس کے افکار و کردار پر روشنی پڑے اور خاکہ پڑھنے کے بعد اس کی خامیاں اور خوبیاں قاری پر ظاہر ہو جائیں۔ ایک خاکے میں کسی شخص کی زندگی کے بعض گوشوں کا بیان اس انداز میں ہوتا ہے کہ خاکہ نگار اس کی سوانح تو نہیں لکھتا۔ مگر چند سوانحی حالات واضح ہو جاتے ہیں۔ نثر میں خیال آرائی اور تخیل سے کام لیا جا سکتا ہے اور لطیف مزاح کا سہارا لے کر اس شخص کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے کوئی مضمون لکھواتے ہوئے ان سے علمی حاصلات اور نکات پر ان کی رائے لیں۔
۲۔ خواجہ معین الدین کے دیگر ڈراموں ''تعلیم بالغاں'' اور ''لال قلعہ سے لالوکھیت تک'' کے چند مکالمے سنائیں۔

اشارات سبق

۱۔ طلبہ کو ڈراموں میں مکالمے کی اہمیت پر لیکچر دیں۔
۲۔ طلبہ کو ڈرامہ نگاری میں خواجہ معین الدین کے مقام سے آگاہ کریں۔